علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

وحی متلو اور وحی غیر متلو قرآنی تقسیم ہے

ربع صدی سے زیادہ عرصہ گزرا ایک بار جماعت امت مسلمہ کی دعوت پر شمس العلما حافظ محبّ الحق مرحوم کے ساتھ امرتسر گیا تھا تو ادارہ البیان کے بہت سے احباب ملے اور امت مسلمہ کے ارکان بھی۔ مولانا احمد الدین سے بھی ملاقات ہوئی مگر وہ ملاقاتیں محض سرسری ہی رہیں البتہ البیان میں میرے مضامین برابر چھپتے رہے۔ مگر ادارہ البیان بالکل انکارِ حدیث کی طرف مائل تھا اور میں مطابق قرآن حدیثوں کو دین میں حجت سمجھنے پر مصر تھا، مگر باہم مخلصانہ افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا۔ میرے ایسے مضامین بھی برابر چھپتے رہے جن سے ادارے کو کم و بیش اختلاف تھا۔ ہجرت کے بعد میں ڈھاکہ پہنچا اور ادارہ طلوعِ اسلام نے کراچی کو اپنا مستقر بنایا، باوجود بعد المشرقین کے باہمی مخلصانہ تعلقات قائم ہوئے اور میرے مضامین طلوعِ اسلام میں چھپنے لگے۔ البیان بھی لاہور سے نکلنے لگا اور اس میں بھی میرے مضامین چھپتے رہے، مگر البیان زندہ نہ رہ سکا جس کا مجھ کو افسوس ہے۔ طلوعِ اسلام میں میرے وہی مضامین چھپتے رہے جو ادارہ طلوعِ اسلام کے مسلک کے موئد تھے اور جن سے ادارے کو ذرا سا بھی اختلاف ہوا وہ مضامین شائع نہ ہوئے، چناں چہ بعض واپس شدہ مضامین اب تک میرے پاس موجود ہیں۔ طلوعِ اسلام سے تعلقات پیدا ہونے کے چند برس کے بعد ہی سے مجھ کو اس کے مسلک سے اختلاف ہوا تو میں نے کسی اور رسالے میں اپنے اختلافی مضامین شائع کرانے کے بہ جائے نجی طور پر مراسلات شروع کی اور اپنے اختلاف سے مطلع کرتا رہا، کیوں کہ اس طور پر افہام و تفہیم سے اصلاح کی توقع زیادہ ہوتی ہے، بہ نسبت اس کے کہ رسائل و جرائد میں ردّ و قدح کا ہنگامہ برپا کیا جائے، اس لیے کہ ایسی صورت

میں مناظرے اور ضد کی نوعیت پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے، چناں چہ بہت سے مسائل پر نجی خطوط کے ذریعے مسلسل افہام و تفہیم کرتا رہا اور یہ صورت حال امسال تک جاری رہی۔

بلاغ القرآن

۱۳۸۷ھ میں جب میں کراچی گیا تھا اور وہاں چھ ماہ تک قیام رہا تو اسی قیام کے زمانے میں، رسالہ ''بلاغ القرآن'' کا تعارف ہوا، اس ادارے کی روش نے مجھ کو بے چین کر دیا، یہاں تک کہ میں ایک ایسی تصنیف میں مصروف تھا جس کو اس وقت کی بہت اہم دینی خدمت سمجھتا تھا اور بہت کچھ لکھ چکا تھا، لیکن اس کو چھوڑ کر اس ادارے کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے بعد گہری نظر سے طلوعِ اسلام کے مطالعے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوا کہ دونوں کی ایک ہی راہ ہے، فرق اتنا ہے کہ بلاغ القرآن دوڑ رہا ہے، اس لیے اس کی دوڑ نمایاں ہے اور طلوعِ اسلام بہت دبے پاؤں جا رہا ہے، قدم ذرا کھسکا تا ہوا، اس لیے وہ دور سے دیکھنے والوں کو کھڑا ہی نظر آتا ہے۔

صرف قرآن کریم

ادارہ بلاغ القرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف قرآن کریم اترا، قرآن کریم کے علاوہ کسی قسم کی وحی بھی آں حضرت ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ سنت میں اگر کوئی چیز واجب الاتباع ہوتی تو قرآن کی طرح رسول کریم ﷺ ضرور اس کو بھی لکھوا کر کتابی صورت میں قرآن کریم کے ساتھ امت کو دے جاتے۔ اس لیے سنت کہاں ہے؟ کس کتاب میں ہے؟ کوئی ایسی کتاب دکھایئے جس میں تمام فرقوں کی متفق علیہ سنت ہو، جس کے کسی جز سے کسی فرقے کو اختلاف نہ ہو، اور طلوعِ اسلام کا مؤقف بھی یہی ہے۔ ان کے اس سوال کا جواب تو میرے رسالے ''السنۃ'' میں ہے یہاں اعادہ بے فائدہ ہے، مگر یہاں مجھ کو صرف یہ دکھانا ہے کہ صرف قرآن کریم کو قبول کرنے اور باقی سب چیزوں کو روایت کہہ کر ٹھکراتے رہنے سے ان کا اصل مقصد کیا ہے؟

قرآن مجید کو قبول کر لینے اور باقی سارے دینی لٹریچر کو ردی قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی آیتوں کو توڑ مروڑ کر جو مفہوم جس آیت سے چاہیں گے نکال لیں گے، جس لفظ کے چاہیں

گے معنی حقیقی کی جگہ مجازی لے لیں گے، جس واقعے کو چاہیں گے خواب کا واقعہ کہہ دیں گے، جس عبارت میں ضمیر جدھر چاہیں گے پھیر دیں گے، جس اسم اشارہ کا جس کو چاہیں گے مشارٌ الیہ قرار دیں گے، جس لفظ کے متعدد معانی لغت والوں نے لکھے ہیں ان میں سے جو معنیٰ چاہیں گے حسبِ دل خواہ مراد لے لیں گے، اس طرح قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے منشا اور اپنی اغراض کے تابع رکھنے کی پوری آزادی حاصل رہے گی۔ دوسروں نے کیا لکھا ہے اس کو دیکھنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ دوسرے تو سب کسی نہ کسی فرقے کے ہیں اور فرقہ وارانہ روایات کے پابند ہیں اور ہم روایات کے اتباع کو گم راہی، بل کہ شرک سمجھتے ہیں، اس لیے ان ''مشرکین'' کی تفسیروں اور ترجموں کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔ ہاں! ان میں سے اگر کسی کا کوئی قول ایسا مل جائے جس سے اپنے خیال کو تقویت ہو تو البتہ اس کو پیش کریں گے، بل کہ ضعیف سے ضعیف روایت اور کسی منافق راوی کا قول بھی اپنے موافق مل جائے گا تو اس کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کریں گے، اور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ (۱)

ہم نے ضرور اس قرآن کو آسان کر دیا ہے۔

تو پھر انسان کے سمجھنے میں دشواری کیوں ہوگی؟ ہم جو مطلب جس آیت کا سمجھے ہیں صحیح ہی سمجھے ہیں۔ آسان بات کے سمجھنے میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ مگر قرآنی آیات کو سمجھنے کی کوشش کب کی جاتی ہے؟ ساری کوششیں تو آیات سے اپنے موافق مفہوم پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہیں، اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس فرقے کی طرف خصوصیت سے توجہ کی جائے۔ خصوصاً اس لئے دیکھ رہا ہوں کہ کوئی صاحبِ علم اس فرقے کی طرف پوری طرح سے متوجہ نہیں ہو رہا۔ صرف فتنۂ انکارِ حدیث کہہ دینے یا بعض رسالوں سے اس فتنے کا انسداد نہیں ہو سکتا۔ حدیث کا ثبوت حدیث سے، روایت کا ثبوت روایت سے منکرینِ حدیث کے سامنے پیش کرنا کیا مفید ہو سکتا ہے۔

یہ رسالہ صرف وحی کے اقسام اور وحی غیر متلو یعنی حدیث صحیح کے ثبوت میں اور دین میں اس کے حجت ہونے کے اثبات میں ہے۔ اس کے ساتھ اور متعدد رسالے ہیں جن میں ''السنۃ'' میں اتباعِ سنت کی فرضیت از روئے آیات قرآنی ثابت کی گئی ہے۔ گویا وہ اس رسالے کا دوسرا حصہ ہے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ج وَ مَا تَوفِیْقِیٓ اِلَّا بِاللّٰہِ

وحی

آلات تکلم یعنی لب و زبان و کام و دہن کے واسطے کے بغیر جو باتیں کی جائیں اس کو ازروئے لغت وحی کہتے ہیں۔ سورۂ مریم میں حضرت زکریا کے ذکر میں فرمایا گیا ہے:

فَأَوْحٰی إِلَیْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُکْرَةً وَعَشِیّاً (۲)

حضرت زکریا کو خبر دی گئی تھی کہ تم تین دن کچھ نہ بول سکو گے یہی علامت ہے اس کی کہ اب تم کو ایک پسر صالح اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا۔ تو وہ مسجد سے نکلے اور اپنے لوگوں کو اشارے سے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح صبح و شام کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ہر کلام وحی ہے، اس لیے کہ آلات تکلم کی حاجت اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے وہ بغیر آلات تکلم کے کلام فرماتا ہے۔ غیر ذوی العقول کی فطرت میں بعض امور جو داخل کر دیئے گئے ہیں، ان کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جیسے:

وَأَوْحٰی رَبُّكَ إِلَی النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتاً وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُونَ (۳)

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کر دی ہے کہ وہ پہاڑوں (کے کسی حصے) میں اور درختوں میں اور چھتوں میں گھر بنائیں۔

یا کائنات کے آغازِ تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے آسمانوں کی تکمیلِ تخلیق کے بعد فرمایا ہے:

وَ اَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا (۴)

اور ہر آسمان (اور اس کے ماتحت کی کائنات) میں سارے متعلقہ قوانین تفویض فرما دیئے (تا کہ ان قوانین کے مطابق کارخانہ کائنات چلتا رہے)

یہاں تفویض احکام و قوانین کو وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، مگر یہ مضامین اس وقت میرے موضوع سے خارج ہیں۔ میرا موضوع وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے۔

غیر رسول کی طرف وحی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی غیر رسول کی طرف بھی وحی ہوتی ہے، بہ ذریعہ القائی القلب یعنی

دل میں بات ڈال کر۔قرآن مجید میں ہے:

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡہِ فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ وَ لَا تَخَافِیۡ (۵)

اور ہم نے مادرِ موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ تو جب اس کے بارے میں تم پر خوف و ہراس غالب ہو تو اس کو دریا میں ڈال دو اور کچھ پروا اس کے بارے میں نہ کرو۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں جو بات ڈالی گئی تھی، اس کو وحی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا تو اس وقت وہ کم سن نابالغ تھے، نبی ورسول نہ تھے۔مگر قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ لَتُنَبِّئَنَّہُمۡ بِاَمۡرِہِمۡ ہٰذَا وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ (۶)

اور ہم نے وحی کی یوسف کی طرف کہ (گھبراؤ نہیں) تم ضرور ان لوگوں کو ان کی اس حرکت سے (کسی وقت) ضرور متنبہ کرو گے اور یہ سب (اس کو) نہیں سمجھتے۔

وحی شیطانی بھی ہوتی ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـِٕہِمۡ (۷)

شیاطین اپنے (انسانی) ساتھیوں کی طرف وحی کیا کرتے ہیں۔

اس لئے ہر شخص ایسی باتوں کو جو اس کے دل میں القا ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ سمجھ لے، اس کے لیے بھی منہ چاہئے، ایسے مکاشفے کہ جب ذرا گردن جھکائی لوحِ محفوظ تک نظر پہنچ گئی، محض افسانہ طرازی ہے۔کسی نبی کو یہ اختیار نہ تھا کہ غیب کی کوئی بات بہ طور خود دریافت کرلیں یا کسی فرشتے کو جب چاہیں بلوالیں، کسی بات کی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب چاہیں منگوالیں، تو کسی غیر نبی کو یہ اختیار کب حاصل ہوسکتا ہے؟ بعض فرقوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے اماموں کو اسمِ اعظم معلوم تھا اور وہ اسمِ اعظم کے ذریعے غیب کی جس بات کو چاہتے تھے، دریافت کرلیتے تھے۔یہ ساری باتیں سخت گمراہ کن ہیں۔البتہ مومنین صالحین کو بلا ارادہ غیر متوقع طور پر

کسی بات کا اگر اتفاقاً انکشاف ہو جائے تو وہ من جانب اللہ ہو سکتا ہے، بہ شرطے کہ قرآن مجید اور سنت ثابتہ کے یا تجربے یا عقل کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

بعض آئندہ ہونے والی باتوں کے قبل از وقت بلا ارادہ غیر متوقع کشف سے نفس میں عُجب و غرور پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس معلومات کے ذرائع انسانوں سے زیادہ ہیں، اس نے ایک مردِ مومن صالح کو عُجب و غرور میں مبتلا کر کے اس کے نفس کو خراب کرنے کے لیے ایسی وحی کی ہے۔ فوراً توبہ کرے اور اپنے نفس کو عجب و غرور سے پاک کرے۔

من جانب اللہ وحی

اللہ تعالیٰ جو اپنے صالح بندوں پر وحی فرماتا ہے اور اپنے مکالمے سے سرفراز فرماتا ہے، اس کو قرآن مجید میں خود وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ سورۂ شوریٰ کی آخری تین آیتیں پڑھئے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌO وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُوراً نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا و إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍO صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الأُمُورُ O (۸)

کسی بشر کا (خواہ وہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہو) یہ منہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے دو بہ دو ہو کر بہ جز اس کے کہ یا تو (بلا توسط کسی فرشتے کے القا یعنی دل میں بات ڈال کر یا خواب کے ذریعے) وحی فرمائے یا پردے کی اوٹ سے یا کسی فرشتے کو بھیج کر کہ اللہ کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے (اس کے نبی کے پاس) وہ فرشتہ اس کی وحی پہنچائے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے (اس سے کہ کوئی اس سے بالمشافہ بیداری میں رو بہ رو ہو کر باتیں کرے) وہ حکمت والا ہے (بندوں کے منافع و مصالح کے پیشِ

نظر وحی کی تین صورتیں اس نے قائم کر دی ہیں) (اے رسول) ہم نے اسی طرح تمہاری طرف اپنے دین کا پرعظمت کلام وحی کیا ہے، تم تو (اے رسول) جانتے بھی نہ تھے کہ (اللہ تعالیٰ کی) کتاب کیسی ہوتی ہے، بل کہ تم ایمان کی حقیقت سے کچھ واقف نہ تھے لیکن ہم نے اس (کلام) کو روشنی بنایا ہے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں گے اس کے ذریعے ہدایت کریں گے اور تم (اس کلام کے ذریعے) بلاشبہ صراطِ مستقیم ہی کی طرف (لوگوں کی) رہ نمائی کرو گے۔ اس راہ کی طرف جو اللہ کی راہ ہے (وہ اللہ) جس کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (اے جن وانس) سن رکھو کہ سارے امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو کر رہیں گے۔(۹)

اول باآخر نسبتے دارد، اسی طرح آخر بھی اوّل سے ضرور مناسبت رکھتا ہے، اس لیے سورۂ شوریٰ کی ان آخری تین آیتوں کے ساتھ حروف مقطعات کے بعد کی پہلی آیت کو بھی پیشِ نظر رکھ لیجئے، پہلی اور دوسری دو آیتیں تو حروف مقطعات کی ہیں، اس لیے شمار کے حساب سے یہ تیسری آیت ہے اور آیت مقطعات کے بعد پہلی آیت ہے:

كَذٰلِكَ يُوحِيٓ إِلَيۡكَ وَإِلَى الَّذِيۡنَ مِن قَبۡلِكَ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ○ (۱۰)

عزت وحکمت والا اللہ اسی طرح تمہاری طرف وحی کر رہا ہے (جس طرح یہ وحی اس وقت ہو رہی ہے) اور جو (نبی) تم سے پہلے گزرے (ان کی طرف بھی اسی طرح وحی کرتا رہا)

غرض وحی کے تین طریقے بتائے گئے:

۱۔ القا جس کو الہام بھی کہتے ہیں۔

۲۔ پردے کی اوٹ سے جس طرح حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے باتیں کیں۔

۳۔ تیسرا طریقہ جو انبیا و مرسلین علیہم السلام میں برابر معمول بہ رہا ہے، یعنی فرشتے کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے نبی اور اپنے رسول کے پاس بھیجے۔ ان تینوں طریقوں سے انبیا و مرسلین کے پاس وحی آتی تھی۔ علیہم السلام۔ مگر آخری دونوں طریقے انبیا علیہم السلام کے لیے

مخصوص تھے۔

پہلا طریقہ القا و الہام کا جو بیداری میں بھی ہوتا تھا اور خواب میں بھی، وہ غیر نبی، مومنین و صالحین کو بھی نصیب ہوسکتا ہے، مگر غیر نبی کا الہام اور خواب محض کسی وہم کے تحت، تخیلات کے زیرِ اثر اور شیطانی وسوسے سے بھی ہوسکتا ہے، لیکن کسی نبی کا الہام یا خواب غلط نہیں ہوسکتا۔ وہ من جانب اللہ وحی ہی ہوتا تھا، اس لیے حج کے ارکان میں سر کا منڈانا یا سر کے بال تراشنا بہ حیثیت فرض کے داخل ہے، باوجود اس کے کہ کوئی آیت حکم حلق یا قصر کی قرآن مجید میں نہیں ہے، صرف رسول اللہ ﷺ کے ایک خواب مبارک کا ذکر سورۂ فتح کے چوتھے رکوع میں ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ (۱۱)

بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ضرور سچا خواب دکھایا ہے اپنے رسول کو مبنی بر حقیقت کہ تم لوگ (اے مومنین) ضرور داخل ہوگے مسجدِ حرام میں (بعضے) سر منڈوانے والے اور (بعضے) بال کتر لینے والے، امن و امان کے ساتھ بغیر کسی خوف و ہراس کے۔

اس خواب کے ذکر کی وجہ سے حج کے ارکان مفروضہ میں حلق یا قصر داخل ہوگیا۔

وحی را بہتر کہ فہمد از رسول

جس پر وحی اتری ہے وہی تو اس وحی کا مخاطب اولی ہے، چاہے وہ وحی کتابی ہو یا غیر کتابی، یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ خود رسول نے اس وحی کا کیا مفہوم سمجھا تھا اور احکام وحی کی کس طرح تعمیل فرمائی تھی۔ رسول صرف مبلغ کتاب بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، بل کہ معلّم اور مبینِ کتاب بھی تھے، اس لیے تعلیم و تبیین رسول سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت نہ سمجھنا اور بہ طور خود اپنی خواہش کے مطابق آیات قرآنی کی تفسیر کرنا سخت گم راہی اور بدترین الحاد ہے۔

انبیائے سابقین کی طرف غیر کتابی الہامی والقائی وحی

سورۂ مومنون میں ہے:

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (۱۲)

تو ہم نے نوح کی طرف وحی کی کہ تم کشتی تیار کرو ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے

مطابق۔

کیا حضرت نوح پر جو کتاب اتری تھی، اس کتاب میں کشتی بنانے کا حکم آیا تھا اور کشتی بنانے کا طریقہ بتایا گیا تھا؟ یقیناً یا تو القا و الہام کے ذریعے ان کو حکم بھی ہوا اور کشتی بنانے کا طریقہ بھی بتایا گیا، یا کسی فرشتے کو بھیج کر زبانی حکم بھی فرشتے نے سنایا اور فرشتے نے حکم ربانی کے مطابق کشتی بنانے کا طریقہ بھی بتایا۔ بہ ہر حال یہ وحی غیر کتابی ہی تھی۔

سورۂ اعراف میں ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (۱۳)

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی، جس وقت ان کی قوم نے ان سے پانی کا مطالبہ کیا تھا کہ اس پتھر پر اپنے عصا سے مارو۔

کیا ان کے صحیفوں میں کوئی آیت اس وقت اس حکم کی اتری تھی؟ یقیناً قوم نے پانی کا مطالبہ کیا تو ان کے دل میں القا و الہام ہوا کہ سامنے جو پتھر ہے، اس پر عصے سے مارو، یا فرشتے نے آ کر حکم سنایا، تورات میں اس واقعے کا ذکر ہے جس طرح قرآن مجید میں اس واقعے کا ذکر ہے۔ تورات میں پتھر پر عصے سے ضرب لگانے کے حکم کی کوئی آیت نہیں ہے۔ یہ غیر کتابی وحی تھی۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کے متعلق اور بھی کئی جگہ وحی کا ذکر ہے جو فوری طور پر القا و الہام کے ذریعے ہوئی یا فرشتے کے ذریعے بھیجی گئی تھی۔ تورات میں ان واقعات کا بعد وقوع ذکر ہے، جس طرح قرآن مجید میں ان واقعات کا ذکر ہے۔ حکم کی آیتیں اس میں نہیں ہیں۔ غرض انبیائے سابقین علیہم السلام پر تینوں اقسام کی وحی آتی رہیں۔

اور ارشاد ہوا ہے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ من بعده وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا () (۱۴)

(اے محمد رسول اللہ ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح ہم نے نوح کی طرف اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف وحی کی تھی اور (جس طرح) ابراہیم اور اسماعیل اور یعقوب (اور ان کے بارہ بیٹے) اسباط اور عیسیٰ اور ایوب اور

یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی تھی اور تم کو قرآن دیا، جس طرح ہم نے داود کو زبور دیا تھا۔

اس آیتِ کریمہ میں گیارہ انبیائے مرسلین علیہم السلام کے اسمائے گرامی مذکور ہیں اور بارہ اسباط یعنی حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تو تئیس انبیا علیٰ نبینا وعلیہم السلام کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا ہے کہ جس طرح ان لوگوں کی طرف ہم نے وحی کی تھی، اسی طرح تمہاری طرف بھی وحی کی ہے۔ ان ۲۳ نبیوں میں سے صحفِ ابراہیم وصحفِ موسیٰ (تورات) اور انجیل و زبور کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً موجود ہے۔ حضرت نوح پہلے رسول از روئے قرآن مبین تھے، اس لیے ان پر کوئی کتاب ضرور اتری تھی۔ سورۂ بقرہ میں آغاز سلسلہ بعثت انبیا علیٰ نبینا علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰب (۱۵)

اس میں صاف مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے نبیوں کو مبعوث کرنا شروع کیا اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری۔ حضرت نوح تو پہلے رسول تھے اس لیے ان پر ضرور کتاب اتری تھی، البتہ بہ یک وقت کئی نبی بھی پہلے مبعوث ہوتے تھے، تو ان میں سے ایک پر کتاب اترتی تھی اور سب ہم عصروں کی وہی کتاب ہوتی تھی، جس طرح حضرت موسیٰ و ہارون پر الگ الگ کتابیں نہیں اتری تھیں، حضرت موسیٰ کے وہ وزیر تھے مگر ان پر غیر کتابی وحی اترتی تھی، اس لیے اس آیت میں ان کا بھی اسم گرامی ہے اور بھی انبیا اس آیت میں مذکور ہیں۔ خصوصاً اسباط کہ ان میں کسی پر بھی کوئی کتاب نہیں اتری تھی۔ حضرت سلیمان پر بھی کوئی کتاب نہیں اتری، ان سب پر غیر کتابی وحی ہی اترتی رہی، تو جب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا کہ ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی کی ہے، جس طرح ان ۲۳ غیر نبیوں کی طرف وحی کی تھی تو اگر آں حضرت ﷺ کی طرف قرآن مجید کے سوا دوسری اور کسی قسم کی کوئی وحی نہیں ہوئی تو اسباط و ہارون و سلیمان علیہم السلام کے ساتھ تمثیل تو صحیح نہ ہوگی۔ ایسے انبیا علیہم السلام کے مماثل حضور ﷺ کو قرار دینا جن پر کوئی کتابی وحی اتری ہی نہ تھی، غیر کتابی وحی ہی اتری تھی۔ ان کے ساتھ صاحبِ وحی ہونے میں آپ کی مماثلت جب ہی صحیح ہو سکتی ہے کہ آپ پر بھی غیر کتابی وحی آئی ہو، اس لیے یہ آیتِ کریمہ اس کی واضح دلیل ہے کہ آں حضرت ﷺ پر وحی غیر قرآنی بھی ضرور اترتی رہی ہے۔ وحی غیر قرآنی کا انکار اس آیت کریمہ کا انکار صریح ہوگا۔

غیر قرآنی وحی کی دوسری قرآنی شہادت

المر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَالَّذِیْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ O(١٦)

المر، یہ کتاب اللہ کی آیتیں ہیں اور بھی جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے (سب) برحق ہے، لیکن اکثر لوگ (سب پر یا بعض پر) ایمان نہیں لاتے۔

تلک، اسم اشارہ مؤنث ہے، عربی زبان میں غیر ذوی العقول کی جمع کی طرف عموماً واحد مؤنث ہی سے اشارہ کرتے ہیں، اور ضمیر بھی واحد مونث ہی کی پھیرتے ہیں، اس کو ہر مبتدی عربی دان بھی جانتا ہے۔ مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو تلک اسم اشارہ واحد مونث صرف صورتاً ہے، مفہوم کے اعتبار سے جمع مونث ہے، اس کا مشارٌ الیہ اس پہلی آیت سے اس سورۃ کی آخری آیت تک ہے۔ یہ طریقہ ہر زبان میں رائج وسائر ہے کہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، پہلے اس کی طرف اشارہ بھی کر دیں، جیسے کسی سے آپ کہیں کہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد جو کہنا چاہتے ہیں وہ پندرہ بیس منٹ میں کہہ ڈالیں، تو پہلے جملے میں جو ''یہ'' اسم اشارہ تھا، اس کا مشارٌ الیہ وہ آپ کی طویل بات قرار پائی، جس کو آپ نے ۱۵، ۲۰ منٹ میں کہہ ڈالا تھا۔ بالکل اسی طرح یہاں تلک اسم اشارہ ہے اور اس آیت سے آخر سورۃ تک اس کا مشارٌ الیہ ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تو الکتاب یعنی کتاب اللہ کی آیتیں ہی ہیں (الکتاب پر الف لام عوض مضاف الیہ ہے) مومنین کتاب اللہ پر تو ایمان لا ہی چکے ہیں، مگر اس کتاب کے علاوہ بھی وحی تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے، وہ سب برحق ہے۔ رسول کے خواب کو عام لوگوں کے خواب کی طرح سمجھنا، رسول کو جو الہام ہوا اس کو عام لوگوں کے ذہنوں میں جیسے کوئی بات آجاتی ہے، اُس کی طرح سمجھ لینا، فرشتے نے قرآنی آیات کے علاوہ زبانی کوئی پیغام یا مژدہ آکر پہنچایا تو چوں کہ وہ قرآنی آیت نہیں ہے، اس لیے اس کو وحی نہ سمجھنا۔ ممکن ہے یہ باتیں بعض کم فہموں کے ذہن میں آرہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو دلوں کی بات جانتا ہے، ان کے ایسے وسوسوں کی اصلاح ضروری تھی، اس لیے یہاں وضاحت سے بتادیا کہ جو کتاب اللہ کی آیتیں ہیں صرف وہی نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے جو وحی بھی، جس قسم کی وحی بھی رسول پر نازل کی گئی ہو، سب وحی ہے اور سب برحق ہے، اسی لیے ''آیات الکتاب'' پر وقف مطلق ہے، یعنی الکتاب پر پہلا جملہ پورا ہو گیا، اس کے بعد نیا جملہ واوٗ استیناف کے ساتھ آیا ہے، جس کا عطف جملے پر عطف جملہ بر جملہ ہے، عطف لفظی نہیں۔

اس وقت بھی ایک جماعت ہے، جو قرآنی آیات کے سوا کسی قسم کی وحی کو وحی نہیں سمجھتی، بل کہ غیر قرآنی وحی کو وحی منزل من اللہ ہی تسلیم نہیں کرتی، ان کی طرف سے کہا جا سکتا ہے اس آیت کریمہ میں تلک اسم اشارہ ہے، جس کا مشارٌ الیہ اس کے سامنے ''آیات اللہ'' موجود ہے، جو معطوف علیہ ہے، واوٗ عطف کے بعد الَّذِیَ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ معطوف ہے اور یہ عطف، عطف تفسیری ہے، یعنی یہ آیات کتاب وہی ہیں جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہیں۔ معطوف اور معطوف علیہ مل کر مشارٌ الیہ اور اشارہ مشارٌ الیہ مل کر مبتدا اور الحق خبر ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا: ''یہ آیات کتاب یعنی تمہارے رب کی طرف سے جو تم پر اتاری گئی ہیں، برحق ہیں۔'' (کتنی صاف نحوی ترکیب ہے) لہٰذا اس آیت کریمہ سے غیر قرآنی وحی ثابت نہیں ہوئی۔ یہ استدلال بھی میں نے ان حضرات کی طرف سے پیش کر دیا ہے جو صرف قرآن ہی کو وحی کا مصداق قرار دیتے ہیں، اور غیر قرآنی وحی کو وحی منزل من اللہ تسلیم نہیں کرتے۔ اگر اس فرقے میں سے آج تک میں نے کسی کو کسی موضوع پر بھی اپنے مخصوص دعوے کے لیے مغالطہ آمیزی سہی، مگر سلجھا ہوا استدلال پیش کرتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ استدلال بہ ظاہر بہت سلجھا ہوا ہے، مگر مغالطہ ہی مغالطہ ہے۔

مذکورہ مغالطۂ استدلال نما کا دارومدار اس دعوے پر ہے کہ آیَاتُ الْكِتَابِ اور الَّذِیَ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ دونوں ایک ہی ہیں، دونوں کے درمیان واوٗ عطف گویا تفسیر ہی کے لیے آیا ہے۔ مگر یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ آیات مونث ہے، اسی لیے اس کے لیے مبتدا مونث لایا گیا ہے۔ تلك آيات الكتاب فرمایا گیا ہے۔ اگر ان ہی آیات کی تفسیر الذی انزل ہوتا تو دونوں لفظ مونث لائے جاتے، اور التی انزلت فرمایا جاتا، پہلا جملہ اپنا مسند الیہ اور مسند دونوں مونث رکھتا ہے اور دوسرا جملہ اپنا مسند الیہ و مسند دونوں مذکر رکھتا ہے، ایسی حالت میں ایک جملہ دوسرے جملے کی تفسیر کس طرح ہو سکتا ہے؟ دونوں مذکر و مونث جملوں میں محرمیت ہے، باہم عقد و

نکاح کی طرح عقد تفسیر نہیں ہوسکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں جملوں کا مسند الیہ ایک نہیں، دو ہیں۔ تو پھر دوسرا جملہ پہلے جملے کی تفسیر کس عقل کی رو سے کہا جائے گا۔

بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہر زبان کی صرف ہے، نحو ہے، معانی ہے، بیان ہے، جن کے ماتحت کسی زبان کی عبارت سمجھی جاتی ہے، مگر معانی و بیان کو تو یہ مدعیان قرآن فہمی جانتے بھی نہیں کہ ان دونوں فنون کے موضوع اور مباحث کیا ہیں، معمولی صرف ونحو سے بھی واقف نہیں، الف لام کی قسمیں بھی نہیں جانتے، واؤ تفسیر اور ''من'' ابتدائیہ کے مفہوم سے بھی واقف نہیں۔ مگر قرآنی آیات کے کسی قدر، دوسروں کے اردو ترجموں سے سمجھ کر، مجتہد بن گئے ہیں۔ اور جس آیت سے چاہتے ہیں اپنے مطلب کے مطابق کھینچ تان کر مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے معانی و بیان کو تو چھوڑیئے، نحوی مسائل کے غوامض بھی بیان کیجئے، گوان کے سمجھنے کی بھی ان میں صلاحیت نہیں، تو ضد، ہٹ دھرمی اور ناخدا ترسی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں اور قرآن میں اجتہاد کے لیے صرف ونحو اور معانی و بیان وغیرہ علوم سے کماحقہٗ واقفیت کے ضروری سمجھے جانے پر ''اٹھارہ علوم کا پشتارہ'' کی پھبتی کسی جاتی ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید میں غور وفکر کرتے ہوئے زندگی بسر کی ہے۔ کاش اس سے پہلے اور کچھ نہیں تو کافیہ اور مختصر المعانی ہی کسی سے پڑھ لیا ہوتا، اس کے بعد قرآن مجید پر غور کرتے۔

بیس پچیس برس قرآن مجید پر غور کرنے میں بسر کیے بھی تو اس لیے نہیں کہ یہ معلوم کریں کہ قرآن مجید کیا ارشاد فرماتا ہے، بل کہ اس لیے کہ ڈارون کی تھیوری کو کس طرح قرآنی آیات سے ثابت کریں اور لینن و مارکس کے نظریوں کا ثبوت کس طرح قرآنی آیات سے پیدا کریں، اس لیے جو شخص سیاہ عینک آنکھوں پر لگا کر دیکھے گا تو ساری فضا اس کو سیاہ ہی نظر آئے گی، ایسے لوگ **تلك آيات الكتاب** اور **الذی انزل** کو ایک قرار دیں تو کیا تعجب ہے؟ غرض کسی طرح بھی **تلك آيات الكتاب** اور **الذی انزل اليك من ربك** دونوں سے ایک چیز مراد نہیں لی جاسکتی۔ دونوں کے دو مفہوم ہیں، **آيت الكتاب** خاص ہے اور **الذی انزل اليك من ربك** عام ہے، جس میں **آيت الكتاب** بھی داخل ہیں، دونوں کے درمیان واؤ اضراب بھی کہا جاسکتا ہے، ''بل کہ'' کے معنی میں، یعنی آیت کا ترجمہ یوں کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، ''یہ آیتیں (جو یہاں سے آخر سورۃ تک چلی گئی ہیں) جو کتاب اللہ کی آیتیں ہیں، یہی نہیں، بل کہ ان کے علاوہ جو

کچھ بھی تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، سب برحق ہیں۔ واوٗ عطف اضراب کے لیے قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے، جیسے:

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوْ مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلاَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ إِلاَّ كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْداً إِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (۱۷)

تم نہیں ہوتے کسی کام میں اور نہیں اس (کتاب) سے کچھ قرآن پڑھتے بل کہ نہیں ہوتے کسی عمل کو بھی کرتے ہوئے کہ ہم موجود ہوتے ہیں، جس وقت اس میں تم لوگ مشغول ہوتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں و لا تعملون پر واوٗ اضراب ہی کے لیے ہے، بل کہ کے معنیٰ میں۔ اسی طرح او بھی اضراب کے لیے آتا ہے، جیسے قاب قوسین او ادنیٰ میں او بل کہ ہی کے معنیٰ میں ہے، اضراب کے لیے لایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں میرے ذہن میں ہیں۔

بات یہ ہے کہ یہ سورۃ الرعد کی پہلی آیت ہے، اس سے پہلے قرآن مجید میں بارہ سورتیں گزر چکی ہیں، جن میں سے چھ سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی کچھ نہ کچھ منقبت ضرور بیان فرمائی گئی ہے۔ سورۃ البقرہ کے شروع میں ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ (۱۸)

یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

یعنی اب دنیا میں کتاب اللہ یہی اور صرف یہی ایک تنہا ہے۔ دوسری کتابیں اور صحیفے یا تو مفقود ہو گئے یا محرف ہو کر ان کے صرف ترجمے ہی ہر جگہ نظر آتے ہیں، اصل کتاب کا کہیں پتا نہیں۔ اس لیے کتاب اللہ اب بس یہی ایک کتاب ہے، اس کے اندر کسی طرح کے ریب و شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ مگر اس سے وہی لوگ ہدایت کا فائدہ اٹھائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

اس کے بعد سورۂ آل عمران کے شروع میں ہے:

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۱۹)

اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندگی کا مالک، آپ اپنی ذات سے ہمیشہ قائم رہنے

والا ہے اور دوسری ہر مخلوق کو قائم رکھنے والا۔اس نے اس کتاب کو مبنی بر حقیقت اتارا ہے۔

سورۂ اعراف کے شروع میں ہے:

كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلاَ يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ O (۲۰)

بڑی عظمت (۲۱) والی کتاب ہے (دشمنوں کی مخالفت سے) تم میں دل تنگی پیدا نہ ہونی چاہئے (یہ کتاب) اس لیے ہے کہ تم (مخالفین کو مخالفت کے برے نتیجے سے) ڈراتے رہو، یہ (کتاب) ایمان والوں کے لیے بڑی نصیحت (۲۲) ہے۔

سورۂ یونس کے شروع میں ہے:

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ O (۲۳)

یہ بڑی حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

یہاں بھی تلک کا اشارہ پوری سورۃ کی طرف ہے۔

سورۂ ہود کے شروع میں ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ O (۲۴)

بڑی عظمت والی یہ کتاب ہے، جس کی آیتیں بہت استوار اس پر مفصل، بڑے حکمت والے ہر ذرے ذرے سے باخبر کے پاس سے آئی ہوئی ہے۔

سورۂ یوسف کے شروع میں ہے:

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ O (۲۵)

(یہاں سے آخر سورۃ تک جتنی آیتیں ہیں) یہ ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو اپنے مفہوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کردینے والی ہے۔

یہاں بھی تلک کا اشارہ پوری سورۃ کی آیتوں کی طرف ہے، جس کی تفصیل سورۃ الرعد کی آیت میں گزر چکی۔سورۂ رعد کی بھی اور سورۂ ابراہیم، سورۂ حجر، سورۂ کہف وغیرہ کی ابتدا میں قرآن مجید کی منقبت کے الفاظ آئے ہیں، اور بیسیوں سورتوں کے درمیان بھی قرآن مجید کی عظمت واہمیت مختلف عنوان سے بیان فرمائی گئی ہے۔مگر غیر قرآنی وحی بھی تو آتی رہی ہے، اس کا بالکل ذکر نہ کرنا

مناسب نہ تھا۔ اگر چہ اکثر غیر قرآنی وحی خصوصاً جن کا تعلق احکام دین سے ہے، پہلے ان پر عمل غیر قرآنی وحی کے مطابق ہوتا رہا، بعض کو ایسی ہر غیر قرآنی وحی کا ذکر قرآن مجید میں کسی نہ کسی عنوان سے ضرور فرما دیا گیا ہے، تاکہ وہ احکام دین کسی ناقص الفہم کی نظر میں غیر قرآنی قرار نہ پائیں، یا یہ کہ قرآن مجید سے باہر نہ رہیں اور قرآن مجید کی جامعیت پر حرف نہ آئے، مگر ابتدا میں ان احکام پر عمل درآمد کی ضرورت غیر قرآنی وحی ہی سے ہوئی۔ جیسے ادائے فریضۂ صلوٰۃ کا طریقہ وغیرہ، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ غرض ضرورت تھی کہ غیر قرآنی وحی، جس کو علما وحی غیر متلو کہتے ہیں، اس کی اہمیت بھی بیان فرما دی جائے، اس لیے سورۂ رعد کی مذکورہ آیت کریمہ میں ایک عام جملہ بیان فرمایا کہ صرف قرآنی آیات ہی نہیں، بل کہ ان کے علاوہ بھی جس قسم کی وحی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوئی ہے، وہ سب برحق ہیں، جو وحی آپ پر الہام و القائی القلب کے ذریعے فرمائی گئی، یا عالم خواب میں فرمائی گئی، یا فرشتے کے ذریعے قرآنی آیات کے ماسوا بہ طور پیغام فرمائی گئی، یا کسی فرشتے کے ذریعے بہ طور تلقین و تعلیم جو وحی کی گئی ہو، زبانی ہو یا عملی، وہ سب برحق ہیں۔ اس آیت میں:

وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ (۲۶)

اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، وہ سب برحق ہیں

فرما کر ہر قسم کے نازل شدہ وحی کے برحق ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے، تاکہ وحی غیر متلو کو غیر قرآنی قرار دے کر کوئی اس کا انکار نہ کرے۔

وحی متلو و غیر متلو

یہ تقسیم علمائے سلف نے اپنی طرف سے نہیں کی، خود قرآن مجید نے تقسیم بیان فرمادی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ (۲۷)

اور تم تلاوت کرو اس وحی کی جو تمہارے رب کی کتاب سے تمہاری طرف کی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ کی قید بتا رہی ہے کہ تلاوت وحی کتاب ہی کی مامور بہا ہے اور اس قید نے یہ بتا دیا کہ کتاب سے باہر بھی بعض وحی ہوئی ہے، جس طرح اگلے انبیا علیہم السلام کی طرف کتابی و غیر کتابی دونوں طرح کی وحی آتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کاتبین وحی سے صرف کتابی وحی لکھوائی، تاکہ اس کی تلاوت ہو، غیر کتابی وحی کی تلاوت کا حکم نہ تھا۔ اس لیے قرآن کی طرح باضابطہ اس کو نہیں لکھوایا۔ کتابی وحی میں الفاظ وحی ہوتے، جن کا محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ غیر کتابی وحی میں مفہوم کی وحی ہوتی تھی اور اگر مفہوم فرشتے کو القا ہوتا تھا تو الفاظ فرشتے کے ہوتے تھے جو وہ رسول تک پہنچاتا اور اگر مفہوم رسول پر بیداری میں یا خواب میں القا ہوتا تو رسول اپنے الفاظ میں بیان فرماتے تھے۔ مگر مفہوم ایسی احکامی وحیوں کے بعد میں کہیں نہ کہیں قرآن مجید میں، کسی نہ کسی طرح ضرور بیان فرما دیئے جاتے تھے، تاکہ وہ مفہوم محفوظ رہ جائے، اسی لیے دیکھیے دوسری جگہ بھی یوں ہی فرمایا ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَاتَصْنَعُوْنَ O (۲۸)

اس کتاب سے جو وحی تمہاری طرف کی گئی ہے، اس کی تلاوت کیا کرو اور نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے روک دیتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے، جو کچھ تم لوگ کرو گے۔

اس آیت کریمہ میں دو کاموں کا حکم دیا گیا ہے، پہلا حکم اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ کا ہے، یعنی حکم دیا جا رہا ہے کہ اس کتاب سے جو وحی تمہاری طرف کی گئی ہے، اس کی تلاوت کیا کرو۔ جو شخص کچھ بھی آخرت کی باز پرس سے ڈرتا ہو اور یقین رکھتا ہو کہ اگر قرآنی آیات کے مفہوم صحیح کے اقرار و انکار میں ہٹ دھرمی سے کام لیں گے تو قیامت کے دن ہم سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ میں ایسے مومن سے پوچھتا ہوں کہ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ میں جو قید مِنَ الْکِتٰبِ کی ہے، صاف بتا رہی ہے یا نہیں کہ کتاب والی وحی کے علاوہ بھی وحی ضرور آتی تھی، ورنہ مِنَ الْکِتٰبِ کی قید محض فضول ٹھہرے گی اور قرآن مجید میں کوئی لفظ بھی بے سود نہیں لایا گیا ہے، اور چوں کہ صرف کتابی وحی کی ہی تلاوت کا حکم ہے، اس لیے کتابی ہی وحی متلو ہوئی اور غیر کتابی وحی غیر متلو ہوئی۔ قرآن مجید نے خود وحی کی دو قسم متلو و غیر متلو بتا دی یا نہیں؟ اور پھر متصلاً اس کے بعد ہی وَ

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ کا دوسرا حکم یہ ظاہر کر رہا ہے کہ نماز میں بھی قرآن مجید کی تلاوت ہونی چاہئے، اور اقم سے یہ اشارہ سمجھا گیا کہ تلاوت صرف قیام میں ہونی چاہئے۔ رکوع و سجود دونوں صورتیں سر نیاز خم کرنے کی ہیں، اس لیے دونوں کا ایک ہی حکم ہونا چاہئے۔ سجدے کے متعلق حکم ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (۲۹)

اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔

اس لیے رکوع و سجود میں تلاوت آیات کی ممانعت ہے کہ حکم صرف تسبیح و تحمید کا ہے۔ **سبحان ربی الاعلیٰ** سجدے میں اور **سبحان ربی العظیم** رکوع میں کہنا چاہئے۔ تلاوت، مخالفت حکم بھی ہوگی اور مخالفت سبیل المومنین بھی۔ مخالفت سنت تو اس فرقے کا خاص ''دینی فریضہ'' ہے، اس لیے مخالفت سنت کا الزام ان پر نہیں عائد کرتا ہوں۔ قرآنی حکم اور سبیل المومنین کا اتباع ان پر بہر حال فرض ہے، مگر سبیل المومنین کی تو مطلق پرواہی یہ لوگ کبھی نہیں کرتے، باوجودے کہ از روئے قرآن مجید سبیل المومنین کے خلاف راہ اختیار کرنے والا قطعی جہنمی ہے۔ (۳۰)

اس آیت کریمہ میں تلاوت کا حکم صریح ہے اور اشارتاً نماز کے قیام میں تلاوت کا حکم ہے، اس لیے وحی کتابی کی خصوصیت ظاہر کر دی، مگر اتباع چوں کہ ہر قسم کی وحی کا فرض ہے، اس لیے جہاں اتباع کا حکم ہے، وہاں عام وحی کے اتباع کا حکم یا ذکر ہے، ان آیتوں میں من الکتاب کی قید نہیں لگائی گئی۔ تو اب اتباعِ وحی کے ذکر یا حکم کی آیات کریمہ ایمان و دیانت کی نظر سے خدا ترسی کے جذبے کے ماتحت ملاحظہ فرمایئے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (۳۱)

کہہ دو (اے رسول) کہ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے (دیئے ہوئے) خزانے ہیں اور نہ میں غیب (کی باتیں) جانتا ہوں اور نہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں، جس (بات) کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (۳۲)

(اے رسول) تم اتباع کرو اس (بات) کی جس کی وحی تمہاری طرف تمہارے رب

کی طرف سے کی گئی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مشرکین کی طرف سے منہ پھیر لو (ان کی مخالفت کی کوئی پروانہ کرو)۔

قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (۳۳)

کہہ دو (اے رسول) کہ میں اتباع صرف اسی کی کرتا ہوں، جس کی وحی میری طرف میرے رب کی طرف سے کی جاتی ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَیْرُ الْحَاكِمِیْنَ O (۳۴)

جو وحی (اے رسول) تمہاری طرف کی جائے، تم اس کی اتباع کرو اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا O (۳۵)

(اے رسول) تمہارے رب کی طرف سے جو وحی کی جائے، اس کی اتباع کرتے رہو، تم لوگ جو کچھ کرو گے اللہ تعالیٰ بے شک اس سے باخبر ہے۔

ان پانچ آیتوں میں اتباعِ وحی کا حکم ہے اور یہ حکم عام وحی سے متعلق ہے، کہیں بھی کتاب کی قید نہیں۔

اتباع ما انزل

قرآن پاک میں ارشاد باری ہے:

اتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ O (۳۶)

تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف اتارا گیا ہے، اسی کا اتباع کرو اور اپنے رب کے سوا (دوسروں کو) اپنا ولی (کارساز و مالک) بنا کر ان کا اتباع نہ کرو۔ بہت کم تم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں مَا اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے صرف قرآن مجید (۳۷) مراد لینا صحیح مان بھی لیں تو یہاں من دونہ کی ضمیر اسی ما انزل یعنی قرآن مجید کی طرف پھیرنا یا تو جہالت ہے یا جانتے بوجھتے ہٹ دھرمی ہے، رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک پر جو باتیں القا ہوتی

تھیں، حضور ﷺ کو جن باتوں کا الہام ہوتا تھا، وہ بھی جب نزول وحی کی ایک صورت تھی، جس کو میں قرآنی آیات سے ثابت کر چکا ہوں، تو الہام نبوی کو ما انزل سے بالکل خارج کوئی مومن خدا ترس کس دلیل سے کر سکتا ہے؟ اسی طرح خواب میں جو وحی حضور پر نازل کی گئی، وہ بھی ما انزل میں ضرور داخل ہے اور جو زبانی پیغام یا ہدایت یا مژدہ فرشتہ لے کر نازل ہوا نزل به الروح الامین کی حیثیت سے اس کو ما انزل سے خارج کیوں سمجھا جائے گا؟ جس طرح ما یوحیٰ اور ما اوحی عام ہے، بالکل اسی طرح ما انزل بھی عام ہے یقیناً قرآن مجید ما اوحی میں سے بہت زیادہ عظمت و اہمیت والی وحی ہے، اس طرح ما انزل میں سے بھی وہ بہت زیادہ عظمت و اہمیت والا منزل من اللہ ہے، مگر اس سے قرآن مجید کے سوا غیر متلو وحیوں کا انکار تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ہر ما انزل واجب الاتباع ہے، مگر منزل یعنی ما انزل کے نازل کرنے والے کو اپنا ولی واحد مان کر اس کی اطاعت کے ماتحت اس کے نازل کردہ احکام کا اتباع واجب ہے، اگر کسی نے احکام قرآنی کا اتباع کیا حکومتِ اسلامیہ کے حکام کی داروگیر سے ڈر کر، اللہ تعالیٰ کو اپنا ولی اور والی سمجھ کر نہیں، تو اس نے بھی من دونه اولیاء کا اتباع کیا۔

اتباعِ احکام قرآنی میں نیت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ضروری ہے، باقی رہی من دونه کی ضمیر تو اس کو ما انزل کی طرف پھیرنا کھلی ہوئی جہالت یا کھلی ہوئی ہٹ دھرمی ہے۔ لا تتبعوا من دونه اولیاء میں لا تتبعوا کا مفعول اولیاء ہے، یعنی جس کی طرف من دونه کی ضمیر پھرتی ہے، اسی کو اپنا ولی سمجھو اور اسی کے احکام کی اتباع کرو، اسی کے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کرو، اس کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنا کر ان کی اتباع نہ کرو۔ قرآن کو ولی نہیں بنایا جا سکتا۔ ولی وہی ہوگا جو علم و ارادے اور قدرت وقوت والا ہو، جو ولایت کا حق ادا کر سکے اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید علم و ارادے اور قدرت وقوت والا نہیں ہے، جو ولایت کا حق ادا کر سکے، اسی لیے قرآن مجید میں قرآن مجید کے لیے ولی کا لفظ کہیں نہیں آیا، جہاں آیا ہے اللہ کے لیے آیا ہے۔ مومنین کا ولی اللہ ہے، اور کفار کا شیطان ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۳۸)

اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْتَ وَلِیّ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ (۳۹)

تو میرا ولی ہے دنیا و آخرت میں۔

وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ O (۴۰)

مومنین کا ولی اللہ تعالیٰ ہے۔

وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ (۴۱)

تقوے والوں کا ولی اللہ تعالیٰ ہے۔

اور بہت سی آیتیں ہیں۔ غرض ولی کوئی صاحبِ عقل و علم و ارادہ و اختیار ہی ہوسکتا ہے، ایک کتاب خواہ وہ کتاب اللہ ہی کیوں نہ ہو، اس کو ولی قرار نہیں دے سکتے اور نہ کہہ سکتے ہیں، اس لیے اس آیت کریمہ میں **من دونہ** کی ضمیر ربکم ہی کی طرف لوٹتی ہے۔ جو شخص اس ضمیر کو **ما انزل** کی طرف پھیرے، وہ جاہل ہے، یا ہٹ دھرم، یا معنوی تحریف کرنے والا ہے۔

دوسری آیتِ کریمہ:

وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗ (۴۲)

اور اس نور کی اتباع کرو جو ان کے ساتھ اتارا گیا۔

یہاں النور سے عام طور پر قرآن مجید ہی مراد لیا جاتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی اور جس قسم کی وحی کسی نبی پر جب بھی نازل ہوئی تھی، وہ نور ہی تھی۔ ہر وحی ایک نور ہے، اس لیے اس آیتِ کریمہ سے بھی غیر قرآنی وحی کو خارج سمجھنا غلط ہے۔ جب قرآنی آیتوں سے غیر قرآنی وحی کا وجود ثابت ہو چکا تو قرآنی و غیر قرآنی ہر قسم کی وحی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نور ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ جب کسی اسم جنس کا ذکر ہوگا تو عموماً فرد اعظم و اہم کی طرف پہلے ذہن جائے گا۔ کتاب اللہ ہر دوسری قسم کی وحی سے زیادہ اہم اور زیادہ واجب التمسک ہے، اس لیے اس آیتِ کریمہ میں **النور الذی انزل معہ** سے قرآن مجید ہی کی طرف پہلے ذہن جائے تو حق بہ جانب ہے، اس لیے کہ دوسری قسم کی ہر وحی کتاب اللہ کے تابع ہے۔ اسی لیے تلاوت کا حکم صرف قرآن مجید ہی کا ہوا۔ وحی غیر متلو کی تلاوت کا حکم نہیں ہوا، وحی متلو کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا اور اس کو ہر طرح محفوظ رکھا۔ وحی غیر متلو کی حفاظت امت کے ذمے چھوڑ دی اور امت نے اس کی حفاظت کی۔ اگلی امتوں کے ذمے کتاب اللہ، وحی متلو اور سبیل المومنین سب کی حفاظت تھی،

چوں کہ اگلی امتیں قومی امتیں تھیں، ہر قوم میں نبی آتے تھے، ان کا دین بھی قومی، ان کی کتاب بھی قومی تھی۔

جب پورے الناس کے لیے ایک نبی، ایک کتاب اور ایک دین آگیا تو اب چوں کہ نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کوئی نئی کتاب آئے گی، اس لیے اس آخری کتاب کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے رکھی اور نبی آخر الزماں ﷺ پر جو وحی غیر متلو آئی تھی، ان میں سے جو اہم دینی وحی تھی، ان کو بھی قرآن مجید میں ذکر کر کے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ باقی کل وحی غیر متلو اور سبیل المومنین کی حفاظت امت کے ذمے چھوڑ دی، تاکہ یہ امت بھی اگلی امتوں کی طرح اپنی ذمے داریوں کا خیال رکھے اور ذمے داریوں سے بالکل آزاد نہ رہے، اور اب چوں کہ کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لیے جو کچھ وحی غیر متلو اور سبیل المومنین میں اختلافات اور کمی بیشی اور تبدیلی و تغیر پیدا ہو جائے، اس کو کتاب اللہ کے ذریعے درست کر لیں اور دینی اختلافات کا فیصلہ کر لیں۔

حقیقی و اصلی اتباع

حقیقی و اصلی اتباع تو قرآن مجید ہی کا ہے۔ وحی متلو کو بھی قرآنی آیات ہی کے مطابق دیکھ کر واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۴۳)

تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، اس میں سے بہترین چیز کی اتباع کرو۔

احسن ما انزل سے یہ مراد لینا بھی صحیح ہے کہ جتنی کتابیں، جتنے صحیفے اگلے انبیا علیہم السلام پر اُترے تھے، سب سے احسن جو کتاب اب اتری ہے، اس کی اتباع کرو، گویا اس کی مخاطبت اہل کتاب کی طرف ہے، یہ مفہوم بھی ضرور صحیح ہے، مگر اہل کتاب کی طرف مخاطبت نہ اس آیت سے پہلے ہے، نہ اس آیت کے بعد البتہ عام مخاطبت ہے۔ لیکن یہ مفہوم زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلے میں وحی قرآنی اور وحی غیر قرآنی دونوں متفقہ فتویٰ دیں، وہی **احسن ما انزل** ہے۔ بہ خلاف اس کے کہ اس متفقہ فتوے کو چھوڑ کر اسی مسئلے میں صرف آیت سے ایک نیا مفہوم نکالا جائے، جو وحی غیر قرآنی سے مختلف یا اس کے خلاف ہو۔ جہاں تک ہو سکے، ہر مسئلے میں وحی قرآنی

کے ساتھ وحی غیر قرآنی کا اتباع بھی پیشِ نظر رہے۔مگر یہ روش بڑی غلط ہوگی کہ وحی غیر قرآنی کے اتباع کے لیے قرآنی آیات کو کھینچ تان کر اس وحی غیر قرآنی کے تابع رکھنے کی کوشش کی جائے۔وحی قرآنی محفوظ بہ حفاظت خیر الحافظین تبارك و تعالیٰ ہے،اور وحی غیر قرآنی کی حفاظت امت نے کی ہے۔ظاہر ہے کہ امت کی حفاظت اللہ کی حفاظت کی برابری نہیں کر سکتی۔

اتباع واطاعت

آج کل عموماً اچھے اچھے مدعیانِ قرآن فہمی اتباع و اطاعت کا فرق نہیں سمجھتے اور اطاعت قانون اور اطاعت احکام وغیرہ برابر الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں،حال آں کہ اطاعت کسی شخص اور کسی ذات کی ہوتی ہے۔احکام وقانون کا اتباع ہوتا ہے۔اتباع کسی شخص کا بھی ہوسکتا ہے۔

''اطاعت'' باب افعال کا مصدر ہے،اس کا مادہ طوع ہے،جس کے معنی ہیں پسند۔جس کی ضد کرہ ہے،یعنی مجبوری و ناپسندیدگی اور دباؤ میں رہنا۔طوعاً وکرہاً اردو میں بھی پڑھے لکھے لوگ بولتے ہیں۔واؤ بہ معنی او ہے،یعنی طوعاً وکرہاً،یعنی پسند سے،خوش دلی سے،یا مجبوری اور دباؤ سے۔

سورۂ توبہ میں ہے:

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ (۴۴)

(اے رسول) منافقین سے کہہ دو کہ تم (کسی کارِ خیر میں) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے،تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

باب افعال کا ایک خاصہ سلب ماخذ کا بھی ہے،یعنی اصل ماخذِ مادہ کے جو معنی تھے،وہ باب افعال پر لانے سے،اس مفہوم کے سلب کر لینے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں،تو اطاعت کے معنی ہوئے اپنی پسند اور اپنی خوشی کا سلب کر لینا،اس کی پسند اس کی خوشی کے مقابل جس کی اطاعت کی جائے۔اطیعوا اللّٰہ کے معنی ہیں،اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مقابل اپنی خواہش،اپنی رضا،اپنی پسند کو دل سے نکال پھینکو۔

اطیعوا الرسول کے معنی ہیں،اپنی پسند کو رسول کی پسند میں فنا کر دو۔تو یہ اطاعت کسی ذات،کسی شخص،کسی حاکم،صاحبِ اقتدار واختیار ہی کے ساتھ ہوسکتی ہے۔غیر ذوی العقول،غیر

صاحب اقتدار وقوت کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔جن کی کوئی اپنی پسند نہ ہو،بل کہ غیر ذی روح،محض اقوال، وہ بھی تحریری قوانین ہوں، ان کی اپنی کوئی مرضی اور اپنی کوئی پسند تو ہے نہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے گی، البتہ جس کا نافذ کردہ قانون ہے،جس کے احکام ہیں ،اس کی اطاعت ہوگی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ مجازاً قانون کی اطاعت کہی جاتی ہے،مقصود صاحبِ قانون ہی کی اطاعت ہے تو یہ ویسا ہی ہے کہ کوئی دینے والے کا شکر ادا نہ کرے۔روپے کا شکر ادا کرے کہ اس کا کام روپے سے نکلا ہے۔پھر یہ کہ گفت گو عربی استعمال سے متعلق ہورہی ہے نہ کہ اردو زبان واستعمال سے متعلق۔اس سلسلے میں مدعیانِ قرآن فہمی ایک بڑے مغالطے سے کام لیتے ہیں،وہ یہ کہ اطاعت ذات اور شخص ہی کی ہوتی ہے اور اسے بالمشافہ ہی ہونا چاہئے ،لہٰذا آج جب کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف فرما نہیں ہیں تو ان کی اطاعت کے کیا معنی ؟اس بنا پر یہ حضرات بزعمِ خود یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن میں واردشدہ اطاعت رسول سے مراد ہے ، ہر دور کے مرکزِ ملت کی اطاعت۔

یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو رسول اور منصب رسالت سے بالکل نابلد ہو اور اپنے مزعومہ مرکزِ ملت کو مقام رسالت پر بٹھانا چاہتا ہو۔یقیناً اطاعت ذات اور شخص کی ہوتی ہے،لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ محمد بن عبداللہ کی وفات ہوئی ہے نہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ،اور اگر ایسا نہیں ہے تو حلقہ بہ گوشِ اسلام ہونے کے لیے قیامت تک لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ پر بھی ایمان کوئی معنی نہ رکھے گا۔لہٰذا اطاعتِ رسول کا مطلب یہ ہے کہ احکام رسول کی اتباع کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے ،یعنی رسول کی پسند کے مقابل اپنی پسند کو سلب کرلیا جائے۔رہا ان حضرات کا یہ کہنا کہ اطاعت بالمشافہ ہی ہوتی ہے تو یہ ایک بلا دلیل بات ہے، دوسرے یہ کہ پھر تو اللہ کی اطاعت کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا ،کیوں کہ اللہ بالمشافہ نہیں ہے،یعنی وہ ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہے،لہٰذا جس طرح اللہ کے بالمشافہ نہ ہونے کے باوجود اس کی مرضی اور پسند معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کی مرضی اور پسند کے مقابل اپنی مرضی اور پسند کو سلب کیا جاسکتا ہے ، اسی طرح آج بھی رسول اللہ ﷺ کی پسند معلوم کی جاسکتی ہے اور حضور کی پسند کے مقابل اپنی پسند کو سلب کر کے اطاعتِ رسول کی جاسکتی ہے اور کرنی چاہئے کہ اطاعتِ رسول ہر دور

میں قیامت تک کے لیے منصوص ہے۔

یاد رکھئے کہ اطاعت بغیر محبت کے نہیں ہوسکتی۔ قانون جس کے منشا کے خلاف ہو، وہ کبھی خوش دلی سے اس قانون کو قبول نہیں کرسکتا، جب تک صاحبِ قانون سے محبت نہ ہو۔ قانون بھی پیارا ہوگا، اگر صاحبِ قانون پیارا ہے۔

اتباع حکم کا اور قانون کا بھی ہوسکتا ہے، اور کسی رہ نما کا بھی، اسی لئے قرآن مجید میں وحی کے اتباع کا بھی حکم ہے اور رسول کے اتباع کا بھی۔ مہاجرین وانصار کے اتباع پر دوسروں کے لئے رضائے الٰہی موقوف ہے۔

اتباعِ وحی وتلاوت وحی

قرآن مجید میں اتباعِ وحی کا حکم ان ہی پانچ مذکورہ سورتوں میں اور ان کی مذکورہ ان ہی پانچ آیتوں میں ہے، مگر ہر آیت میں عام وحی اور ہر قسم کی وحی کے لئے حکم اتباع ماننا پڑے گا۔ عموم لفظ کی بلا دلیل تخصیص جائز نہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ پر ہر قسم کی وحی آتی رہتی تھی، جیسا کہ اگلے انبیا علیہم السلام پر اُترتی رہی اور بلا تخصیص عام وحی کے اتباع کا حکم ہے تو یقیناً کسی قسم کی وحی بھی حکم اتباع سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتی۔

اور تلاوت وحی کا حکم پورے قرآن مجید میں دو ہی جگہ ہے، ایک اکیسویں پارے کی پہلی آیت کریمہ میں، جو سورۂ عنکبوت کی پینتالیسویں آیت ہے، جس میں صاف طور سے فرمایا گیا ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (۴۵)

تلاوت کرو اس وحی کی جو وحی اس کتاب سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔

کس قدر صاف لفظوں میں وحی کتابی ہی کی تلاوت کا حکم ہے، عام وحی کی تلاوت کا حکم نہیں۔ اسی طرح دوسری آیت کریمہ میں ہے:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (۴۶)

اور تلاوت کرو اس وحی کی (اے رسول) جو تمہارے رب کی کتاب (قرآن) سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔

یہاں بھی صراحت ووضاحت کے ساتھ تلاوت کا حکم ہے، اس وحی کے لئے جو من کتاب

ربك تمہارے رب کی نازل کردہ کتاب سے ہو۔

صرف دو ہی آیتوں میں تلاوت وحی کا حکم ہے،اور دونوں جگہ صاف اور واضح طور سے وحی کتابی کی قید موجود ہے،اس لئے وحی کی دوقسمیں متلواور غیر متلوقرآن مبین نے صراحتاً خود کردی ہیں۔علمائے سلف کا اختراع نہیں ہے۔

وحی غیر متلوکو غیر قرآنی کہہ کر رد کرنا اور قبول نہ کرنا اور اس کے اتباع سے انکار کرنا درحقیقت قرآن مجید کا انکار ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (۴۷)

کیا تم بعض قرآن پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

وحی غیر متلوجس کو مدعیانِ قرآن فہمی وحی تو تسلیم ہی نہیں کرتے،''غیر قرآنی'' باتیں کہہ کر رد کردیتے ہیں،ان میں بہت سی تو ایسی ہیں،جن کا ذکر کسی نہ کسی طرح قرآن مجید میں کردیا گیا ہے مگر اس فرقے والوں کو ان آیات سے کیا بحث؟ان کو ایسی آیتوں کی تلاش رہتی ہے،جن سے وہ آج کل کے الحادزدہ نوجوانوں کو مطمئن کرسکیں اور دنیا میں خودساختہ نظام معیشت قائم کرسکیں اور بہ زعم خود سرمایہ داری کا استیصال کرسکیں۔ڈارون کی تھیوری کو قرآنی آیتوں سے ثابت کرسکیں۔

غرض ان کا حاصل یہ ہے:

ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا○(۴۸)

ان کی ساری جدوجہد دنیاوی ہی زندگی کے مفاد میں کھوگئی(خرچ ہوگئی ہے)اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کررہے ہیں۔

اس لئے وہ کبھی اس پر غور ہی نہیں کرتے کہ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ(۴۹) سے نمازِ جمعے کا ثبوت تو مل رہا ہے،مگر نمازِ جمعہ کب فرض ہوئی تھی؟اور کس آیت کے ذریعے فرض ہوئی تھی؟

پھر نداء للصلوٰۃ یعنی اذان کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے،اذان کا حکم اور اذان کے کلمات کی تعلیم کس آیت سے ثابت ہوتی ہے؟ان باتوں پر غور کرنے کا ان کے پاس وقت کہاں؟ اس لئے یہ ان وحی ہائے غیر متلو سے بالکل بے خبر ہیں،جو قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں اور جو

قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں، ان کو غیر قرآنی اور روایتی کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں، حال آں کہ قرآن مجید ان کی صداقت کی گواہی دے رہا ہے۔

قرآن مجید اور روایت

قرآن مجید نے روایت کو رد کرنے یا قبول کرنے کے متعلق بہترین اصول خود بتا دیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْآ (۵۰)

(اے ایمان والو!) اگر کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیقات کرو۔

یہ حکم دنیاوی امور، جنگ، صلح، حملہ، دشمن وغیرہ کے متعلق ہے کہ کوئی فاسق بھی کوئی خبر لائے تو محض اس کے فسق کی وجہ سے اس کی خبر دہی کو چھوٹتے ہی غلط اور جھوٹ قرار دے کر اس سے لا پرواہی نہ برتو، ممکن ہے کہ تحقیقات سے خبر صحیح ثابت ہو جائے، اور نہ اس پر فوراً اعتماد کرلو، ممکن ہے خبر غلط ہو اور تم کو خواہ مخواہ کی پریشانی اٹھانی پڑے۔ غرض یہ حکم نہیں ہوا کہ چوں کہ خبر لانے والا فاسق ہے، اس لئے اس کو جھٹلا دو۔

حدیثیں جن میں وحی غیر متلو، وحی غیر قرآنی کا بھی کچھ حصہ ضرور ہے، جن اقوال و افعال کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر کے راوی روایت کر رہا ہو۔ بغیر راوی کی ثقاہت و عدم ثقاہت کا پتا لگائے بغیر، اس کو قرآنی درایت کی میزان پر تولتے ہوئے صرف روایت روایت کا شور مچا کر رد کر دینا تو دراصل قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ کی کھلی ہوئی مخالفت ہے، اور اس کے ساتھ نسبت الی الرسول کی توہین بھی۔ کسی قول منسوب الی الرسول کی نسبتِ صحت سے انکار اور بات ہے اور عام طور سے ہر حدیث قولی و فعلی کا انکار اور بات ہے۔ کسی ایک یا چند یا بہت سی حدیثوں کا عدم قبول اور باقی کا اقرار کرنے والے کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کا عدم قبول مبنی بر دیانت ہے، جس طرح موضوعات پر کتابیں لکھنے والوں نے کافی تعداد میں حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں بعض حدیثیں صحیح ہوں اور جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے، ان میں کچھ موضوع حدیثیں بھی ہوں۔ بہ ہر حال جن حدیثوں کو کتاب الموضوعات لکھنے والوں نے موضوع قرار دیا ہے، ان کے پاس حدیثوں کے پرکھنے کا معیار ہے، اپنے معیار کے مطابق موضوعات الگ کر کے

جن حدیثوں کو صحیح سمجھا، ان کو وہ دین میں حجت سمجھتے ہیں، یہاں ایک طبقے نے بلا دلیل یہ خیال قائم کرلیا کہ قرآن مجید کے سوا کوئی وحی آں حضرت کی طرف بھیجی ہی نہیں گئی۔ حضور ﷺ کو کبھی کسی بات کا الہام ہوا ہی نہیں۔ جبریل قرآن مجید کے سوا اور کوئی بات پہنچاتے ہی نہ تھے۔ اور اس تنکے پر وہ انکار کا پہاڑ اٹھائے ہوئے ہیں۔

محکم دلیل

کتاب اللہ کے ساتھ، سنت کا نام لینے والوں کے سامنے بہ زعم خود گویا ایک پہاڑ لا کر رکھ دیا جاتا ہے، یہ کہہ کر کہ سنت کہاں ہے؟ کس کتاب میں ہے؟ کوئی ایسی کتاب دکھاؤ جس میں سارے اسلامی فرقوں کی متفق علیہ حدیثیں ہوں، جس پر سارے فرقوں کا یکساں عمل درآمد ہو، دکھاؤ ایسی کتاب؟ ایسا کہنا قرآن فہمی نہیں، بل کہ دراصل قرآن سے بے خبری کی شہادت ہے۔ میں نے ان مدعیانِ قرآن فہمی کی اس پہاڑ ایسی دلیل کو کالعہن المنفوش دکھانے کے لئے ایک مستقل رسالہ ''السنۃ'' کے نام سے لکھا ہے، اس بنا پر یہاں اس بحث کی تفصیلات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے چند بنیادی اور اہم باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کو تلقینِ ایمان کس وحی کے ذریعے ہوئی؟

کچھ پہلے سورۂ شوریٰ کے آخر کی تین آیتیں لکھ کر وحی کی تین اقسام میں نے قرآن مجید کی ان آیتوں سے ثابت کی ہیں۔ ان تین آیتوں میں سے دوسری آیت یعنی سورۂ شوریٰ کی آخری آیت سے پہلے جو آیت ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ

(اے رسول) تم تو جانتے بھی نہ تھے کہ الکتاب (کتاب اللہ) کیسی ہوتی ہے، بل کہ ایمان (۵۱) کی حقیقت سے بھی واقف نہ تھے۔

حیرت ہے کہ اس بات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ حضرت موسیٰ جب وادئ مقدس طویٰ میں پہنچتے ہیں، تو حسبِ صراحتِ قرآنی (۵۲) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں، اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ گویا اللہ اپنا تعارف کراتا ہے۔ پھر انہیں بتاتا ہے کہ وہ کس مقدس جگہ کھڑے ہیں، اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى پھر ان کو منصبِ

رسالت پر فائز کرنے کی وحی کرتا ہے، وَ اَنَا اخۡتَرۡتُكَ پھر اس کے بعد دوبارہ گویا اپنا تعارف اس طرح کراتا ہے:

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی اللہ نہیں

پھر انہیں حکم دیتا ہے:

فَاعۡبُدۡنِیۡ

لہٰذا میری ہی عبادت کیا کرو۔

پھر اس عبادت کے سلسلے میں حکم دیتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ

میری یاد کے لئے نماز کی پابندی رکھو۔

پھر حضرت موسیٰ اور اللہ کے درمیان کچھ اور گفت گو ہوتی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو ایک کارِ خاص پر مامور فرماتا ہے:

اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى

فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل آتے ہیں تو نہ اپنا تعارف کراتے ہیں، نہ ایمان کی تلقین کرتے ہیں۔ باوجودے کہ رسول اللہ ﷺ ایمان کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔(۵۳)

مَا كُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡكِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ

اور نہ وہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو منصبِ رسالت پر فائز کر دیا ہے، پس اچانک وہ نمودار ہوتے ہیں اور آتے ہی سورۂ علق کی ابتدائی چند آیات پڑھوا دیتے ہیں۔

یقیناً منصبِ نبوت عطا کرنے سے پہلے آپ ﷺ کو تلقینِ ایمان کی گئی ہوگی، تا کہ آپ ﷺ اوّل المومنین ہوں، مگر نبوت کا آغاز کس طرح ہوا؟ تلقینِ ایمان کس طرح ہوئی؟ قرآن مجید اس کو بیان نہیں فرماتا۔ روایتیں جو آغازِ وحی کی ہیں، ان میں کہیں تلقینِ ایمان کا ذکر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غشی سے افاقے کے بعد فرمایا:

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ (۵۴)

مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے قرآن مجید میں اوّل المومنین کا لفظ کہیں نہیں ہے، اور اس کے ذکر کی ضرورت بھی نہ تھی، کیوں کہ حضور ﷺ کا اوّل المومنین ہونا قطعی ویقینی ہے۔

سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ (۵۵)

یہ رسول ایمان لائے ان سب وحیوں پر جو ان کے رب کی طرف سے، ان پر اتاری گئیں اور سارے مومنین ایمان لائے۔ سب کے سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر۔

تو یہ خبر ہے سب کے ایمان لانے کی۔ سب کے سب بہ یک وقت، بہ یک روز تو ایمان نہیں لائے تھے۔ مومنین نے تو جب رسول سے دعوئ نبوت ورسالت سنا، قرآن مجید کی آیتیں سنیں، تب رسول پر ایمان لائے۔ خود رسول اللہ ﷺ کب ایمان لائے؟ کس دن؟ کس وقت؟ اور کس حکم سے ایمان لائے اور کس کی تلقین سے ایمان لائے؟ یقیناً کوہِ حرا میں حضرت جبریل حضور ﷺ کے پاس آئے تو پہلے انہوں نے اپنا تعارف کرایا ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقینِ ایمان کی وحی پیش کی ہوگی، کیوں کہ آپ ایمان کی حقیقت اور تفصیل سے ناواقف تھے (جیسا کہ قرآن کی مذکورہ آیت میں بہ تصریح مذکور ہے)۔ اللہ تعالیٰ پر اگر چہ فطری ایمان ہوگا، مگر فرشتوں پر، کتابوں پر، اگلے رسولوں پر اور قیامت پر ایمان کی تفصیل کا علم نہ ہوگا۔ تلقینِ ایمان کے بعد جب آپ ﷺ اوّل المومنین ہو گئے تو پہلے آپ کو آپ کے منصب نبوت ورسالت کی حقیقت سے مطلع کیا ہوگا اور اس کی بھی وحی ہی لے کر آئے ہوں گے، اس کے بعد سب سے پہلی وحی جو حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئی، وہ بسم اللہ الرحمان الرحیم کی تھی، پھر اس کے بعد پوری سورۂ فاتحہ کی وحی ہوئی۔ (۵۶)

تو وحی قرآنی سے پہلے حضرت جبریل نے اپنے ذاتی تعارف کی وحی غیر متلو پیش کی، پھر تلقینِ ایمان کی وحی غیر متلو پیش کی، پھر منصبِ نبوت ورسالت کی حقیقت سے آگاہ کرنے کی وحی غیر متلو پیش کی، تین وحی غیر متلو کے بعد پھر پہلے بسم اللہ الرحمان الرحیم کی وحی کتابی پیش کی۔ پھر سورۂ فاتحہ کی وحی کتابی پیش کی، تو تین وحی غیر متلو کے بعد دو وحی متلو پیش کیں۔ سورۂ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ

اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کا اقرار تھا، ایّاك نستعین میں تو طلبِ اعانت کا اقرار ہے، اور طلب کا تعلق قلب سے ہے، وہ تو آسان بات تھی، مگر ایاك نعبد کا تعلق صرف قلب سے نہیں ہے، بل کہ جوارح یعنی دست و پا اور سر و جبین سے بھی ہے، لہٰذا کس طرح اس قلبی اقرار کا عملی ثبوت دیا جائے، اس کی تعلیم یقیناً ضروری تھی۔ ضرور حضرت جبریل نے حضور ﷺ کو نماز پڑھانے کے طریقے کی وحی بھی دی، بل کہ بہت زیادہ قرینِ عقل و قرینِ قیاس ہے کہ حضرت جبریل نے خود دو رکعت نماز پڑھ کر بتا دیا ہو اور حضور ﷺ نے اسی جگہ تعلیم جبریل کے مطابق دو رکعت نماز پڑھی ہو۔

غرض، پہلے تین وحی غیر متلو، پھر دو وحی متلو، ان کے بعد پھر تعلیم صلوٰۃ کی دو وحی غیر متلو، زبانی اذکار کی اور عملی ہیئت صلوٰۃ کی بالواسطہ اور بالتوسط پہنچائی، اس کے بعد سورۂ علق کی پانچ ابتدائی آیتوں کی بسم اللہ الرحمان الرحیم کے ساتھ وحی متلو پیش ہوئی۔

وحی بالواسطہ اوروحی بالتوسط

سورۂ الشوریٰ میں ہے:

اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ (۵۷)

اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو اپنے نبی کے پاس بھیجتا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اس کے حکم کے مطابق فرشتہ وحی پیش کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ مرسل یعنی وحی بھیجنے والا اور نبی مرسل الیہ یعنی جس کی طرف وحی بھیجی گئی اور فرشتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان واسطہ ہوا۔ اگر فرشتے کی حیثیت محض ایک امین کی ہے کہ وحی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو دی، فرشتے نے بالکل اسی طرح اس کو نبی تک پہنچا دیا، فرشتے کا بہ ذات خود اس وحی سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں تو وہ وحی بالواسطہ ہے اور اگر فرشتے کا بھی فی الجملہ کوئی تعلق، قولی یا عملی، اس وحی سے ہو تو وہ وحی بالتوسط ہوئی۔

چوں کہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْکِتٰبِ فرما کر اللہ تعالیٰ نے کتابی وحی کی تلاوت کا حکم دیا ہے، اس لئے ایسی وحی جو الفاظ کے ساتھ بہ طور امانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر مشروط طور پر فرشتے نے آں حضرت ﷺ کے پاس پہنچائی، وہ وحی بالواسطہ وحی متلو ہوئی اور وہی کتابی وحی ہے۔

دوسری وہ وحی کلامی جو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی طرف فرمائی اور حکم یہ فرمایا کہ انہیں الفاظ میں

اس وحی کو تم اپنی طرف سے ہمارے نبی سے کہو، یہ بھی کتابی وحی رہے گی، تاکہ ہر تلاوت کرنے والا قیامت تک اس وحی کے مضمون سے آگاہ رہے۔

جیسے سورۂ مریم میں ارشاد ہے:

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّاO رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّاO(۵۸)

(اے نبی) ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، سب کا مالک وہی ہے اور تمہارا رب بھولنے (۵۹) والا نہیں ہے، اور وہ سارے آسمانوں کا اور ساری زمین کا اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، سب کا رب ہے تو پھر تم اسی کی بندگی کا حق ادا کرو اور اسی کی بندگی پر ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہو (اس کی ذات وصفات و اختیارات کا شریک تو کوئی کیا ہوگا) تم اس کے نام کا شریک بھی کیا کسی کو پاتے ہو؟

یہ وحی ہے تو کلامی ورامانت ہی کی حیثیت سے لفظاً لفظاً پہنچائی گئی، مگر اس میں فرشتے کا ذاتی تعلق بھی ہے۔ فرشتے کو حکم ہے کہ اس قول کو تم اپنی طرف سے کہو تو دوہری وساطت ہوئی، کلام پہنچانا اور اپنی طرف سے پہنچانا، اس لئے میں نے اس قسم کی وحی کا نام وحی بالتوسط رکھا ہے، مگر اس قسم کی وحی متلو بالتوسط، ان دو آیتوں کے سوا تو کوئی تیسری آیت میرے ذہن میں نہیں ہے، ممکن ہے دو ایک اور بھی کہیں ہوں۔ واللہ اعلم

وحی بالمفہوم

غرض وحی کلامی اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے ساتھ صرف وحی کتابی ہی ہے اور وحی بالواسطہ ہی ہے، بہ جز مذکورہ دو آیتوں کے جو وحی متلو کتابی بالتوسط نازل ہوئیں، یا شاید کوئی اور آیت بھی اس طرح کی ہو، البتہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پر مفہوم القا فرمایا اور فرشتے نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں نبی تک پہنچایا تو یہ وحی بالتوسط ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتے نے پہنچایا ہے تو وہ حدیث قدسی ہے اور اگر حسبِ حکمِ ربانی فرشتے نے اپنی طرف سے کہا ہے تو وہ حدیث جبریل ہے، اگر

حضرت جبریل ہی اس وحی کو پہنچانے والے ہیں، ورنہ جو فرشتہ بھی ہو، اس کی طرف ہی وہ حدیث منسوب ہوگی۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القمر:۱۷

۲۔ مریم:۱۱

۳۔ النحل:۶۸

۴۔ حم السجدۃ:۱۲

۵۔ القصص:۷

۶۔ یوسف:۱۵

۷۔ الانعام:۱۲۱

۸۔ الشوریٰ:۵۱،۵۲،۵۳

۹۔ اس چودھویں صدی ہجری میں ایک مدعی نبوت جو اپنے آپ کو امتی نبی وظلی و بروزی نبی کہتے تھے، اللہ تعالیٰ سے ''عریاں مکالمہ'' کے مدعی تھے۔ان کی تصنیفات میں ان کا یہ دعویٰ بڑے زوردار الفاظ میں موجود ہے۔ معلوم نہیں ''عریاں مکالمہ'' سے ان کی کیا مراد ہے۔ یہ کچھ عجیب وغریب لفظ بھی ہے، یعنی قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں مکالمہ نبی کی جو تین صورتیں بتائی گئی ہیں، ان میں سے کسی صورت کو ''عریاں مکالمہ'' نہیں کہہ سکتے۔ مجھ پر ان کے جھوٹے دعوے کی حقیقت پہلے پہل ان کے عریاں مکالمے ہی کے دعوے سے واضح ہوگئی تھی۔

۱۰۔ الشوریٰ:۳

۱۱۔ الفتح:۲۷

۱۲۔ المومنون:۲۷

۱۳۔ الاعراف:۱۶۰

۱۴۔ النساء:۱۶۳

۱۵۔ البقرۃ:۲۱۳

۱۶۔ الرعد:۱

۱۷۔ یونس:۶۱

۱۸۔ البقرۃ:۲

۱۹۔ آل عمران:۲،۳

۲۰۔ الاعراف:۲

۲۱۔ کتابٌ میں تنوین وحدت تعظیمی ہے، اس لیے ترجمے میں عظمت کا اظہار کیا گیا۔ ہر زبان میں وحدت تعظیمی ہوتی ہے۔

۲۲۔ ذکریٰ چوں کہ غیر منصرف ہے، اس لیے اس پر تنوین نہیں آسکتی، مگر تنکیر موجود ہے اور یہ تنکیر اس وحدت تعظیمی کی ہے، جو کتابٌ میں تنوین کی صورت میں ہے، اصل تو مفہوم تنکر و وحدت کا ہے۔ تنوین تو تنکر و وحدت کی ظاہری علامت ہے۔

۲۳۔ یونس:۱

۲۴۔ ھود:۱

۲۵۔ یوسف:۱

۲۶۔ الرعد:۱

۲۷۔ الکہف:۲۷

۲۸۔ العنکبوت:۴۵

۲۹۔ الحجر:۹۸

۳۰۔ النسا:۱۱۵

۳۱۔ الانعام:۵۰

۳۲۔ الانعام:۱۰۷

۳۳۔ الاعراف:۲۰۳

۳۴۔ یونس:۱۰۹

۳۵۔ الاحزاب:۲

۳۶۔ الاعراف:۳

۳۷۔ ما انزل الیکم من ربکم سے صرف قرآن مجید مراد لینا صحیح مان بھی لیں، یہ اس لیے لکھا ہے کہ اگر نزل به الروح الامین اور نزله روح القدس کی حیثیت آپ جانتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف وہی

وحی معتبر ہو، جس میں مفہوم اس کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل لائے ہوں اور وہ وحی معتبر نہ ہو، جس کا صرف مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل اپنے الفاظ میں لائے ہوں یا جس کے مفہوم کا القا حضور کے قلب مبارک پر ہوا اور حضور علیہ السلام نے اپنے الفاظ طیبہ میں اس مفہوم کو ادا فرمایا ہو۔ نزل به الروح الامین اور نزله روح القدس تو تینوں قسم کی وحی ہوئی، فانه نزله علی قلبك باذن الله کی نوعیت تینوں قسم کی وحیوں میں موجود ہے، اس لیے صرف قرآن مجید کے منزل من اللہ ماننے پر اصرار اور باقی دونوں وحیوں کے منزل من اللہ ہونے سے انکار تو جائز نہیں، خصوصاً جب ان دو قسم کی وحیوں کا ثبوت بھی قرآن مجید سے مل رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اصل وحی کتاب اللہ ہے، اس کے علاوہ جتنی قسم کی وحی بھی ہوئی، وہ کتاب اللہ کے تابع ہے، اس لیے نزل به اور نزله کی ضمیر مجرور و مفعولی قرآن مجید ہی کی طرف پھرتی ہے، اس لیے کہ ان آیات کریمہ کے مخاطب منکرین تھے، ان سے اصل کتاب کو منزل من اللہ منوانا تھا، جو کتاب پر ایمان لے آئے گا، وہ ایسی ہی ہر چیز پر ایمان لے آئے گا جو کتاب سے ثابت ہو۔ غیر کتابی وحی تو مومنین کے لیے ہے نہ کہ منکرین کے لیے۔ جو لوگ مصلحتاً صرف قرآن مجید کے الفاظ پر ایمان کا زبان سے اقرار کرتے ہیں، مگر مفہوم ہر آیت میں اپنا ٹھونستے ہیں، ان کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظ بے مفہوم نازل کیے ہیں، جو اپنا کوئی مفہوم ہی نہیں رکھتے تو جن کے نزدیک اللہ نے نازل ہی نہیں فرمایا، وہ صرف مفہوم والی وحی کو منزل من اللہ کس طرح تسلیم کریں گے۔ اس لیے وہ کوئی آیت بھی جب لکھتے ہیں تو اسکا لفظی ترجمہ لکھ کر اگر مفہوم لکھیں تو ہر اردو داں ترجمہ اور مفہوم کو ملا کر سمجھ لے گا کہ یہ مفہوم جو بیان کیا گیا ہے واقعی اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم ہے یا نہیں؟ اس لیے جب لکھیں گے تو بغیر لفظی ترجمے کے آیت لکھ کر صرف مفہوم لکھیں گے مگر ان کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف لفظوں میں فرما دیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا

۳۸۔ البقرہ:۲۵۷

۳۹۔ یوسف:۱۰۱

۴۰۔ آل عمران:۷۸

۴۱۔ الجاثیہ:۱۹

۴۲۔ الاعراف:۱۵۷

۴۳۔ الزمر:۵۵

۴۴۔ التوبہ:۵۳

۴۵۔ العنکبوت:۴۵

۴۶۔ الکہف:۲۷

۴۷۔ البقرہ:۸۵

۴۸۔ الکہف:۱۰۴

۴۹۔ الجمعہ:۹

۵۰۔ الحجرات:۶

۵۱۔ ولا ایمان پر واواضراب کے لئے آیا ہے، یعنی بل کہ کے معنی میں ہے۔

۵۲۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۱ اور اگلی کچھ آیات۔

۵۳۔ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بہ ذریعہ وحی معلوم ہوئیں، پہلے سے کہاں معلوم تھیں؟ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسِ ایمان کے ساتھ ہمیشہ متصف تھے۔

۵۴۔ الاعراف:۱۴۳

۵۵۔ البقرہ:۲۸۵

۵۶۔ بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور میرے خیال میں یہی قرینِ عقل و صواب ہے اور علامہ زمخشری کی تحقیق کے مطابق تو اکثر مفسرین کی رائے میں سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ الفاتحہ ہے۔

۵۷۔ الشوریٰ:۵۲

۵۸۔ مریم:۶۴، ۶۵

۵۹۔ یعنی تم کو بھول نہیں گیا تھا، وہ کسی بات کو، کسی شخص کو بھی بھولتا نہیں ہے۔